# اُردو ناول کی روایت اور سیاسی و سماجی تغیرات

ڈاکٹر راشدہ قاضی[1]

**Abstract:**

"The study delineates the evolution of Urdu fiction and novel under social and political changes. In this context, the prose and work of Sir Syed emanated as a breakthrough in the Urdu literature. Similarly, Moulana Nazir Ahmad elaborated the moral and social psychology of the Muslim families in Subcontinent. Moreover, Ruswa, a novelist and a writer of history novel, and Abdul Haleem Sharar have major contributions in the literature and developing social values. More importantly, Prem-Chand, capturing and discussing the lower middle-class problems, was also highlighted in the study. The study also encapsulates transformations in creativity after independence of Pakistan, which changed its outlook into contemporary ways rather than just vanishing."

ادب کی تمام اصناف میں ناول ہی ایک ایسی صنف ہے جس میں اجتماعی زندگی کے حقائق کی مکمل تصویر دیکھی جاسکتی ہے۔ یوں تو فنون لطیفہ کا کوئی ایسا شعبہ نہیں ہے جو اپنے ماحول اور سماجی عوامل سے بے نیاز ہوسکے۔ ناول حقائق کی جزئیات کا مشاہدہ پیش کرتا ہے۔ جس سے ہم ان اسباب و علل کا مکمل تجزیہ کرسکیں اور ان قدروں کے باہمی پیکار کو سمجھ سکیں جس کے نتیجے میں حیاتِ انسانی متنوع انداز میں ہم پر منکشف ہوتی ہے۔ انقلاب فرانس کے صنعتی نظام کے فروغ اور سرمایہ داری کے عروج نے اجتماعی احساس کو جتنا وسیع کیا اتنا ہی مغرب میں ناول نگاری کو فروغ ملا اور یہ صنف اس قدر مقبو ل ہوئی کہ اس نے دوسرے فنون کو پیچھے چھوڑ دیا۔ انیسویں صدی کے نصف آخر میں یورپ میں ناول کا عہد کہا جاسکتا ہے۔ اردو میں ناول نگاری اپنے معنوں میں نذیر احمد سے شروع ہوئی۔

مولوی نذیر احمد (۱۸۳۰۔ ۱۹۱۲) کو اُردو کا پہلا ناول نگار کہا جاتا ہے۔ لیکن اردو نثری ادب پر سرسید (۱۸۱۷۔ ۱۸۹۸) کے احسانات کو بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

سرشار (۱۸٤٦۔ ۱۹۰۳) ، رُسوا (۱۸۵۷۔ ۱۹۳۱) اور پریم چند (۱۸۸۰۔ ۱۹۳٦) کے ہاں اپنی خوبیوں اور خامیوں کے باوجود سماجی و معاشرتی، نئی اور پرانی زندگی کا بھرپور عکس دیکھ سکتے ہیں۔ اس سے اُن ناول نگاروں کے شعور، ان کے مشاہدے، ان کے تخیل اور خارجی حقائق کے عرفان کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

تکنیک کے معاملے میں نئے ادیبوں نے پرانے ناول نگاروں کی نسبت خاصی ترقی کی ہے۔ اسے داستان یا قصے کی سرحدوں سے نکال کر خالص ناول کی حدود میں لائے ہیں۔ لیکن انسانی زندگی کے مشاہدے، حقائق کا عرفان جیتے جاگتے کرداروں کی تخلیق ہے۔ جن کے ذریعے ہم زندگی کے حقائق و مظاہر کا پوری طرح احاطہ کرسکیں۔ یہ ناول میں مفقود ہے۔

حیات انسانی کے ارتقا کی تصویر کشی ناول میں عمدگی سے ہوئی اور اس ٹھاٹھ سے ادب کے دائرے میں آئی کہ باقی سب رنگ پھیکے پڑ گئے۔

ادب کی تاریخ ہماری سماجی تاریخ کا ہی ایک حصہ ہے۔ انیسویں صدی کے اوائل میں ہماری سماجی فکر کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس دور میں ہمارے سفید پوش طبقہ نے پہلی دفعہ اپنے آپ کو بحیثیت ایک طبقے کے پہچانا۔ اس سے قبل سارا ادب اُمرا کے گرد گھوم رہا تھا۔ متوسط طبقے کی دریافت ہماری سماجی فکر کی پہلی بڑی دریافت تھی۔ ہمارے پرانے اور نئے ادب میں سماجی احساس کا فرق ہے۔ عام طور پر ادب کو رومانوی اور خیالی قرار دیا جاتا ہے

---

[1]پرنسپل، گورنمنٹ کالج آف کامرس برائے خواتین، ڈیرہ غازی خان

اور نئے ناول میں بیادی فرق رومانیت اور واقعیت یا نقطۂ نظر یا طرز ادا کا نہیں بلکہ بنیادی فرق موضوع اور احساس کا ہے۔ پرانے ناول کا احساس کسی قدر محدود تھا۔ جبکہ نئے ناول کا دائرۂ احساس وسیع ہے۔

ناول نگار کوشش کرتا ہے کہ زندگی کے اُن پہلوؤں کی تصویر کشی کرے جن سے وہ کاملاً مطلع ہے۔ یوں ناول افسانے کا پھیلا ہوا استعارہ ہے۔

جہاں تک مولوی نذیر احمد(۱۸۳۰۔ ۱۹۱۲) کا تعلق ہے تو ان کے ناولوں میں مولوی اور فنکار کی جنگ ہوتی ہے اور عموماً فنکار جیت جاتا ہے۔ مولانا عام طور پر کسی مذہبی، اخلاقی یا معاشرتی نکتے کے حامی ہوتے ہیں۔ لیکن دوران ناول کرداروں کو کچھ اس طرح اپنی ذات پر حاوی کرلیتے ہیں کہ انہیں یاد ہی نہیں رہتا کہ ولن ہیرو پر حاوی ہورہا ہے۔ ان کے ناولوں کے پلاٹ میں بہت کم پیچیدگی اور تبدیلی کے امکانات ملتے ہیں۔ کچھ عرصے تک ہمارے ناول اسی ڈگر پر چلتے رہے۔ اگرچہ موضوعات کی نوعیت میں تبدیلیاں وقوع پذیر ہوتی رہیں۔

نذیر احمد نے ناول نگاری کو اُمرا کے طبقے کی عکاسی کی مگر امور خانہ داری کو گھر اور سماج کی اصلاح کے لیے محور بنا دیا۔اس ناول میں عورت کی معاملہ فہمی، ہنر مندی اور سگھڑاپے کو اہمیت دی گئی ہے۔ یوں مراۃ العروس، بنات النعش اور توبۃ النصوح میں سلیقہ اور ہنر مندی کے بعد مذہب اور دینی مسائل کا احاطہ کیا گیا ہے۔ نئی نسل اور تہذیب کے رجحانات پر بھی حاشیہ آرائی کی گئی۔ ابن الوقت درمیانے طبقے کی ذہنیت کا عکاس ناول ہے۔ مولانا نے ابن الوقت کو ایسا عینی فرد تصور کیا ہے جو سرسید (۱۸۱۷۔ ۱۸۹۸) نہیں تو بھی سرسید کا سا ضرور ہے۔ وہ ان ہی کے نظریات کا پیکر لگتا ہے۔

ْرویائے صادقہٗ مسلمانوں کے درمیان مذہبی اختلافات کو ختم کرکے ان کے تقلیدی نہیں اجتہادی مسلمان بننے کا درس دے رہا ہے۔ ْفسانہ مبتلاٗ میں اسی طرح کے طبقے کے مرد و زن کی نفسیات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ غیرت بیگم اور ہریالی کے جھگڑے موثر انداز میں پیش کیے گئے ہیں۔ جو ان بی بیوں کی زندگی کس طرح تباہ کرتے ہیں اور خاص طور پر اگر ان کا تعلق درمیانے طبقے سے ہو تو اس مسئلے کو ْایامیٰ میں مولانا نے پیش کیا ہے۔ بہرحال اگرہم یہ کہیں کہ مولانا سفید پوش مسلم گھرانوں کی اخلاقیات اور سماجی نفسیات کو بھرپور انداز میں سامنے لائے ہیں تو بے جا نہ ہوگا۔

ڈاکٹر اے بی اشرف مسائل ادب میں جب ادب کی بحث چھیڑتے ہیں تو ناول نگاری والے حصے میں لکھتے ہیں:

> ''اس وقت کا ادیب عوامی سطح پر آکر سوچنے کو تیار نہ تھا۔ مولوی نذیر احمد ہوں یا سرشار، عبدالحلیم شرر ہوں یا امراو جان ادا والے مرزا رسوا۔ سب کے سب ایک خاص سوسائٹی کو پیش کرتے ہیں۔ یہ سوسائٹی امرا کی ہو یا اوسط درجے کے شرفا کی، مزدور اور کسان کی ہرگز نہیں۔ اس سوسائٹی کے افراد کے سماجی تعلقات کا تعین بھی مذہبی اور روحانی نقطہ نظر سے ہوتا ہے۔ کسی انسانی یا مادی تعلق کی بنا پر نہیں۔ پھر ان کے یہاں کبھی فن زندگی پر غالب آجاتا ہے تو کبھی زندگی فن پر حاوی ہو جاتی ہے۔ یعنی کبھی مولوی نذیر احمد کے ہاں مقصد فن کا خون کردیتا ہے تو کبھی رسوا کے یہاں زندگی فنی گرفت کے نیچے تڑپتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔''(۱)

ایک زمانے میں لوگوں کی رائے تھی کہ شرر سے بڑا ناول نگار کوئی نہیں۔ دور بدلا وقت کے تقاضے بدلے تو زمانے کے لوگوں نے رائے دی کہ شرر[۱۸۶۰-۱۹۲۶] کو سرے سے ناول نگار ماننا ہی نہیں چاہیے۔ انہیں تو ناول نگاری کے ابتدائی اصول ہی معلوم نہیں ہیں۔ لیکن یہ دونوں آرا دو متضاد انتہاوں پہ دی گئی ہیں۔

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ سچائی دو نظریات کے مابین ہوا کرتی ہے شرر کے ناولوں کو تاریخی ناول کہنا زیادہ صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ ان سے نہ ہمیں کسی تاریخی دور کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے اور نہ ہی کسی تاریخی شخصیت کا تصور ذہن میں بیٹھتا ہے۔

البتہ مانوس ناموں اور اجنبی مناظر سے ایک رومانی فضا ضرور قائم ہوتی ہے۔ لیکن اس فضا کو کسی تاریخی دور یا کسی خاص ملک سے منسلک کرنا مشکل ہے۔ شرر کسی منظر کی جزئیات پر اتنا وقت صرف نہیں کرتے کہ اس کی جداگانہ ہستی قائم ہو جائے۔ ان کے اکثر ناول زیادہ تر قرونِ وسطی سے متعلق ہیں۔ یہ زمانہ کئی سو سال پہ محیط ہے۔ شرر کے ناول ان کئی سو سال کے خاص حصوں کی وضاحت نہیں کرتے نہ ہی کسی ایک دور کو ٹھیک طرح سے سمجھنا آسان ہے۔ کیونکہ ان کے قصے زندگی سے متعلق نہیں ہیں۔ وہ واقعات کو سماجی زندگی سے الگ کرلیتے ہیں۔ شرر کے پیش کردہ واقعات کا ایک دوسرے سےتعلق ضرور ہوتا ہے۔ لیکن سیاسی یا سماجی قوتوں سے اُن کا تعلق ظاہر نہیں ہونے پاتا۔ ان واقعات کی وجوہات یا نتائج ظاہر کرنے کے لیے وہ چند ایک اشخاص منتخب کرلیتے ہیں۔ ان کے ناولوں میں بادشاہوں ، شہزادوں یا جرنیلوں کی وجہ سے حرکت ملتی ہے۔ عوام یا باقی سماج سے شرر کم ہی علاقہ رکھتے ہیں۔ لیکن ان کی نامور فرضی شخصیتوں کا تاریخ سے کوئی تعلق نہیں۔

چند ایک تاریخی اشخاص بھی ہیں مثلاً صلاح الدین, رچرڈز یا حسن بن صباح لیکن شرر کے ناولوں سے ہمیں ان کے کردار یا ان کی زندگی کا صحیح اندازہ کرنے میں کوئی مدد نہیں ملتی۔ وجہ یہ ہے کہ شرر کے تمام کردار یک طرفہ ہیں۔ ان یک رُخے کرداروں میں اگر کسی کی بہادری دکھانا مقصود ہے تو اسے بھی انتہاوں پر لے جاتے ہیں۔ یک رُخے کرداروں کو یا تمام اچھائیوں یا تمام برائیوں کا مجموعہ دکھایا جائے تو بات بھی ہے۔ لیکن شرر اپنے کرداروں کی خوبیوں کو انتہا پہ لے جاتے ہیں۔

''ان کے ہر ناول کا ملک اور زمانہ مختلف ضرور ہے،مگر بالکل سطحی اور مردہ ہےبیانوں میں وہ اکثر مبالغے کا رنگ بھر کر قصیدے والی شاعری پر اتر آتے ہیں۔''(۲)

اس طرح ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہوجاتے ہیں کہ شرر کے ناولوں کو فنی کمزوریوں کے باوجود ایک مخصوص دور کی جذباتی فضا میں مقبولیت ملی۔

مرزا ہادی رسوا (۱۸۵۷۔ ۱۹۳۱) کا شعور شرر اور سرشار سے زیادہ ترقی یافتہ معلوم ہوتا ہے۔ ناول نگاری کے لیے رسوا کافی موزوں ہیں۔ لیکن وہ سرشار اور شرر کے افسانوی عناصر سے کوئی علاقہ نہیں رکھتے۔ رسوا کے پانچ ناول طبع زاد ہیں۔'افشائے رازٗ،'اختری بیگمٗ،'شریف زادہٗ،ذات شریف اور امراو جان ادأ ایک بات تو طے ہے کہ'امراو جان ادأ ان کا شاہکار ناول ہے۔ طوائف کی زندگی میں کوئی ہیرو نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کی زندگی کی ہیرو ہر شب بدل جایا کرتے ہیں اور یہ شاید پہلا ناول ہے کہ جس کا ہیرو نہیں ہے۔

اس ناول میں بتایا گیا ہے کہ ایک غریب اور شریف لڑکی جب اغوا ہو کر کوٹھے پر پہنچتی ہے تو اس کے ساتھ کیسے حالات پیش آتے ہیں۔

رسوا یہ بھی کرسکتے تھے کہ اسے بندوق تھما دیتے کہ جاو اس معاشرے سے اپنے لٹنے کا انتقام لے لو جس نے تمہیں تباہ کیا۔ سکون اس کے حصے میں بھی نہیں آنا چاہیے۔ لیکن مصنف نے اس کردار کو زندگی کے ساتھ چلایا۔ اس میں تقدیر کا مسئلہ بھی نمایاں ہے۔

کیونکہ امیرن کے امراو بننے میں تقدیر کا بڑا عمل دخل ہے۔ ظاہر ہے وہ اپنی مرضی سے تو طوائف نہیں بنی۔ اس میں حالات کی ستم ظریفی کی کارفرمائیاں نمایاں ہیں۔

رسوا کی ناول نگاری میں تقدیر اور معاشرت کو کُلیدی حیثیت حاصل ہے۔'اختری بیگمٗ ایک رئیس زادی کی کہانی ہے۔ جس کی والدہ اپنے رشتے کے ایک بھائی خورشید مرزا کے ہاں چھوڑ کر مر جاتی ہے اور وصیت کر جاتی ہے کہ اس کی جائیداد چھپائی جائے۔ قصے کی دلچسپی سنسنی خیز یا جاسوسی عناصر میں پنہاں ہے۔ شریف زادے کو جادو ٹونے میں پھنسا دیا جاتا ہے۔ شریف زادہ میں اگرچہ دلچسپی کا عنصر منفقود ہے تاہم رسوا کی فنکارانہ صلاحتیں اجاگر ہوتی ہیں۔ مجموعی طور پر اردو ناول کے ابتداءی دور میں مرزا رسوا نے ناول کو نفسیاتی شعور سے آشنا کیا،انسانی تقدیر کے حوالے سے اہم فکری سوال اٹھاءے اور ایک مخصوص ثقافت سے لگاءو کے باوجود اس کے غروب ہو جانے کا بلیغ اشارہ دے دیا،یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر ریاض ہمدانی نے اردو

ناول کے نو آبادیاتی مطالعے میں اس ناول کے بارے میں بھی اہم نکات اٹھاءے،جن میں یہ نکتہ قابل غور ہے:

''امراءو جان ادا کا ماحول منڈی سے جڑا ہوا ہے،جس میں صاحب ثروت کو شکار کرنےکے حربے استعمال کءے جاتے ہیں۔''(۳)

منشی پریم چند(۱۸۸۰۔ ۱۹۳٦) پہلی دفعہ اُردو ناول میں زیادہ جمہوری واقعیت سے ابھرتے ہیں۔ جس طرح حالی اور ان کے رفقا اُردو شاعری کو نوابین کے دربار سے سفید پوش شرفا میں لائے تھے۔ اسی طرح پریم چند اُردو ناول کو سفید پوش طبقے کی بیٹھکوں سے نکال کر دیہات کی چوپال میں لے گئے۔

منشی پریم چند کی دوسری بڑی خوبی یہ ہے کہ انہیں افسانوی مسالحے پر کافی گرفت حاصل ہے۔ وہ ان کے جذباتی، سماجی اور جسمانی آداب و اطوار سے کافی حد تک واقفیت رکھتے ہیں۔ ان کی تحریر میں پختگی ہے۔ حالانکہ اس دور میں کچھ نئے لکھنے والوں کی تحریر میں ناپختگی بلکہ کچا پن نمایاں ہے۔ پریم چند کو کردار نگاری میں خاصی مہارت حاصل ہے۔ لیکن ان کے کچھ کردار ٹائپ بھی بن جاتے ہیں۔ وہ نچلے درجے کے مسائل کو بڑے موثر انداز میں پیش کرتے ہیں۔ ذات پات کے نظام کے خلاف قلم اٹھاتے ہیں۔ نا منصفانہ تقسیم دولت انہیں اذیت دیتی ہے تو اس پر بے دریغ لکھتے ہیں۔ تقسیم دولت کے نامنصفانہ نظام میں جکڑے مسخ ہوتے آدمی پریم چند کا خاص موضوع ہیں۔

''پریم چند مارکسزم کی انسان دوستی اور مساوات کے تصورات کو ہی حاصل زندگی سمجھتے رہے۔''(۴)

پریم چند (۱۸۸۰۔ ۱۹۳٦) نے ناول میں اپنے فنی سفر کا آغاز ْجلوہ ایثارٔ اور ْبیوۂ سے کیا۔ اور پھر ْغبنٔ جیسے ایک سطح کے ناول لکھے۔ اور پھر ْبازار حسنٔ جیسا ناول لکھ کر ایک اہم معاشی، سماجی اور اخلاقی مسئلے پر اپنے نصف تذبذب کا اظہار کیا۔ آخر کار وسیع تر میدانِ جنگ میں کود گئے۔ ایک منصفانہ نظام کی جستجو میں منہمک بے زر، بے زمین اور بے یار و مددگار خاموش اکثریت، احساسِ برتری سے مسلح اقلیت کے خلاف لڑنے کے لیے صف آرا ہورہی تھی۔ وہ احساس برتری جو ان جاگیروں کے عوض پیدا ہوا اور سامراجیوں کے ہاتھ اپنے ضمیر کا سودا کرنے کی وجہ سے ملی تھی۔ جو وسائل پیداوار پر قابض ہونے کے لیے چور دروازے سے واقفیت کے باعث ہو اندھی قوت پیدا ہوئی۔ جس نے اس اقلیت کو بظاہر ناقابل شکست برتری سے ہمکنار کیا۔

پریم چند نے ''گوشہ عافیتٔ ،ْچوگانٔ ہستیٔ اور ْمیدان عملٔ جیسے ناول لکھ کر بے زبان طبقے کو زبان دی۔ مگر پریم چند کا شاہکار ناول ّگئودانٔ ہے جس میں مصنف نے فنکارانہ بے رحمی کے ساتھ اپنے عصر کی تذلیل آدمیت کے سماجی اور مذہبی اسباب متعین کیے۔ پریم چند کے آخری دور کے دو ناولوں 'میدان عمل' اور 'گءودان' کو ناقدین نے بہت توجہ دی،بلکہ ڈاکٹر ریاض ہمدانی نے میدان عمل کو خصوصیت سے توجہ دی ہے،اپنے ڈاکٹریٹ کے مقالے پر مبنی اپنی کتاب'اردو ناول کا نو آبادیاتی مطالعہ' میں،ایک اقتباس دیکھیے:

''مصنف نے ناول میں جس جگہ بھی انگریز کرداروں کا ذکر کیا ہے،وہاں انہیں غیر مہذب اورگھٹیا ظاہر کیا گیا ہے۔''(۵)

قیام پاکستان کے بعد کئی برس تک ادب کے افق پر فسادات کی سرخی اور سیاہی چھائی رہی جو قیام پاکستان سے پہلے اور بعد میں ہوئے۔ عام طور پر اس موضوع سے متعلق ادب کو تین دائروں میں منقسم کیا جاسکتا ہے۔

1- جذباتی اور سطحی ادب جس میں شعوری طور پر فریق مخالف کے مظالم اور بربریت کا پردہ چاک کرکے اپنی دانست میں ْقومی خدمتٔ کرنے کی کوشش کی۔ جیسے ایم اسلم کا ْرقص ابلیسٔ اور نسیم حجازی کا ْخاک اور خونٔ

2- ترقی پسند ادب جس میں خصوصی طرز پر زخموں کو کریدنے کی بجائے انہیں مندمل کرنے کی کوشش کی گئی۔ انسانی اقدار کو اجاگر کیا گیا جیسے کرشن چندر (۱۹۱٤ ۔ ۱۹۷۷) 'غدار' راماننند ساگر کا 'اور انسان مر گیا'

3- ایسا ادب جس میں وقتی اور سیاسی مصالح کو بالائے طاق رکھ کر سنسنی اور لذتیت سے دامن چھڑا کر اپنے قارئین کی جذبات اُمنگوں کا ساتھ دینے بغیر اور وقوعات کے خارجی روپ پر اکتفا کیے بغیر فسادات کی انسانی اور تہذیبی معنویت متعین کرنے کی کوشش کی گئی۔ جیسے قرۃ العین حیدر (۱۹۲۷۔ ۲۰۰۷) کا 'آگ کا دریا' عبداللہ حسین (۱۹۳۱۔ ۲۰۱۵) کا 'اداس نسلیں' وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ادب میں فسادات کا حوالہ قتل و غارت، لوٹ مار، آتش زنی یا ابرو ریزی کے ذکر تک محدود نہ رہا۔ بلکہ اس صورتحال کے نتیجے میں پیدا ہونے والے جذباتی مسائل اور برصغیر کی دونوں بڑی قوتوں کی باہمی نفرت، عناد، کینہ اور بدگمانی، انتقام، جہالت اور استحصال کے ہاتھوں ستائی ہوئی سرحد کے دونوں طرف کراہتی ہوئی انسانیت ادیبوں کی توجہ کا مرکز بننے لگی۔ ایک عرصہ تک ادب میں قیام پاکستان کے ذکر کے ساتھ ہی قتل و غارت، انتقام اور ندامت کے تلازمات جاگ اُٹھتے تھے۔ مگر رفتہ رفتہ ادب میں نئے نئے منظر نامے، پس و پیش کا ادراک، تہذیبی و تاریخی شعور کی مدد سے پاکستان کی قومی شخصیت کو اجاگر کرنے اور پرکھنے کی کوشش کی۔

ایسے ادیبوں کی تحریر میں ہجرت ایک گمشدہ حوالہ بن کر رہ گئی۔ مگر کچھ ادیب ایسے بھی تھے جنہوں نے چھوڑے ہوئے گلی کوچوں میں رہنا پسند کیا۔ کڑوے کسیلے سفر کے آزار کو لذت میں ڈھالنے کی کوشش کی اور ہمارے ناقدین کی مرغوب اصطلاح 'ناسٹلجیا' کو متاع ہنر بنایا۔ جیسے انتظار حسین (۱۹۳۲۔ ۲۰۱٦) کے ناول ۔

گزشتہ تین عشروں میں پاکستان کے سیاسی اور سماجی نظام پر چھائے ہوئے جبر نے جس طرح تذلیل اور تشدد کا منظر نامہ پیش کیا۔ بنیادی انسانی اقدار اور نصب العین نے جس طرح مسخ ہوکر دوہری سطح پر جینے والے ریا کار لوگوں کو کامیاب قرار دیا۔ اس کے خلاف مزاحمت کرنے والے ناول نگاروں میں ڈاکٹر انور سجاد(۱۹۳۵۔ ۲۰۱۹) 'کوکھ جلی' ، انیس ناگی (۱۹۳۹۔ ۲۰۱۰) 'دیوار کے پیچھے' ، عبداللہ حسین (۱۹۳۱۔ ۲۰۱۵) 'باگھ' اور انورسین رائے (۱۹۴۸۔ ) کا 'چیخ' شامل ہیں۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ اردو ناول ابھی تک اپنے غلام عباس (۱۹۰۹۔ ۱۹۸۲) اور سعادت حسن منٹو (۱۹۱۲۔ ۱۹۵۵) کو ترس رہا ہے۔

# حوالہ جات


۱۔ اے بی اشرف، ڈاکٹر، مسائل ادب ، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز ،۱۹۹۵، ص 376
۲۔ احسن فاروقی، ڈاکٹر،اردو ناول کی تنقیدی تاریخ ، لکھنو : ادارہ فروغ اردو ،۱۹۶۲، ص ۱۴۳
۳۔ ریاض ہمدانی، ڈاکٹر،اردو ناول کا نو آبادیاتی مطالعہ ، لاہور :فکشن ہاؤس ،۲۰۱۸، ص ۲۰۷
۴۔ خالد اشرف، ڈاکٹر، بر صغیر میں اردو ناول ، لاہور فکشن ہاؤس ،۲۰۰۵، ص ۱۹
۵۔ ریاض ہمدانی،ڈاکٹر،اردو ناول کا نو آبادیاتی مطالعہ ، لاہور: فکشن ہاؤس ۲۰۰۵، ص۲۳۴